اصلاحِ اُمّت کے لیے قرآن کی تعلیم عام

افادات شاہ ولی اللہ

شاہ صاحبؒ نے اُمّت میں بگاڑ اور فساد کے علاج کے لیے قرآن مجید کے مطالعہ و تدبّر اور اس کے فہم کو سب سے موثر علاج سمجھا۔ اور یہ بات محض ذہانت، قوت مطالعہ اور قیاس پر مبنی نہیں تھی، بلکہ ایک ایسی بدیہی حقیقت تھی جس پر قرآن مجید خود شاہد، اور نہ صرف عہدِ بعثت کی تاریخ بلکہ اسلام کی پوری تاریخ دعوت اور سرگزشتِ اصلاح و تجدید گواہ ہے۔ خاص طور پر حقیقتِ توحید، اور حقیقت شرک کو ظاہر کرنے کے لیے اس سے زیادہ واضح، اس سے زیادہ طاقتور، اور دل نشیں ذریعہ کا تصور نہیں ہو سکتا۔ ترجمانِ قرآن شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اپنے مقدمہ "موضح القرآن" میں جتنے سادہ اور دل نشیں انداز میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے، اس سے زیادہ مشکل ہے۔ فرماتے ہیں: "بتانے والے بہتیرا بتائیں، جیسا خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں آپ بتایا ہے ویسا کوئی نہیں بتا سکتا، اور جیسا اثر اور راہ پانا خدا کے کلام میں ہے کسی کے کلام میں نہیں۔

حجاز مقدس کے قیام میں شاہ صاحبؒ کو ہندوستان کی اس دینی صورتِ حال، اور اس کی تعلیمات قرآن اور تعلیماتِ اسلام سے بُعد اور منافات کا احساس اور شدت سے پیدا ہوا ہو گا، اور وہاں کی نورانی، روحانی اور قرآنی فضا میں، جہاں سے توحید کا زمزمہ سب سے پہلے بلند ہوا، شاہ صاحب کے قلبِ بیدار میں اس کا داعیہ کہ وہ ہندوستان میں قرآن مجید کی دولت کو عام کریں ایسی وضاحت اور شدت سے پیدا ہوا ہو گا، ----

شاہ صاحب کے زمانہ میں ہندوستان کیا، تقریباً تمام عجمی ممالک میں، جن میں ترکستان، ایران اور افغانستان، ہندوستان کے قریبی ہمسایہ تھے، اور انھی کے رجحانات، مشاغل، ذوق اور تسلیم شدہ حقائق کا سایہ ہندوستان کے علمی و دینی حلقوں پر پڑتا تھا۔ یہ تسلیم کر لیا گیا تھا کہ قرآن مجید اخص الخواص طبقہ کے

مطالعہ، غور و فکر اور فہم و تفہیم کی کتاب ہے، جس کا سمجھنا ایک درجن سے زیادہ علوم پر موقوف ہے۔ اس کو عوام میں لانا، عوام کو براہِ راست اس کے مطالب سے واقفیت پیدا کرنے اور اس سے ہدایت اور روشنی حاصل کرنے کی دعوت دینا، سخت خطرناک، ایک بڑی گمراہی اور فتنہ کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے، اور عوام میں ذہنی انتشار، خودرائی، اور علما سے بے نیازی، بلکہ بغاوت اور سرکشی کی دعوت دینا ہے، اس طرزِ خیال اور دلیل کو ایک مختصر رسالہ، تحفة الموحدین، میں بڑی خوبی سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ شاہ صاحب کے نام اور نسبت کے ساتھ شائع ہوا ہے، لیکن یوں کہ شاہ صاحب کی تصنیفات و رسائل کے قدیم تذکروں اور فہرست تالیفات میں عام طور پر اس کا نام نہیں آتا۔ اس لیے جزم و وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ شاہ صاحب کے قلم سے ہے۔ البتہ جو مضمون نقل کیا جارہا ہے وہ اس طرزِ خیال کی صحیح ترجمانی ہے، جو عام طور پر پھیلا ہوا تھا، اور اس میں اس کا جواب شافی بھی موجود ہے، اور یہ عوامی تعلیمِ قرآن کے بارہ میں شاہ ولی اللہ کی بنیادی فکر اور روشنی کا حامل ہے۔

بعض لوگ کہہ بیٹھتے ہیں کہ قرآن مجید اور حدیث کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو بہت سے علم اور بے شمار کتابیں پڑھا ہوا ہو، اور اپنے زمانہ کا علامہ ہو۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ "خدا تعالیٰ وہ ہے جس نے اُن پڑھوں میں پیغمبر بھیجا انھی اَن پڑھوں میں سے، پڑھتا ہے وہ پیغمبر ان اَن پڑھوں پر خدا کی آیتیں، اور ان کو گناہ کے مَیل سے پاک کرتا، اور کتاب اور اس کی تدبیر سکھاتا ہے"۔ (الجمعہ ۶۲: ۲) یعنی رسول خداؐ ان پڑھ اور آپؐ کے اصحاب بزرگوار بھی اَن پڑھ تھے، مگر جب رسولِ خداؐ نے اپنے اصحاب کے سامنے قرآن کی آیتیں پڑھیں، تو وہ ان کو سن کر ہر قسم کی برائی اور بگاڑ سے پاک صاف ہو گئے۔ پس اگر ناخواندہ آدمی قرآن و حدیث نہیں سمجھ سکتا، اور اس کی سمجھ کی استعداد نہیں رکھتا، تو صحابہؓ برائی اور عیبوں سے کیوں کر پاک صاف ہو گئے؟ اس قوم پر سخت افسوس ہے، جو "صدرہ" سمجھنے اور "قاموس" جاننے کا تو دعویٰ کرتے ہیں، مگر قرآن و حدیث کو سمجھنے میں اپنے آپ کو محض نادان ظاہر کرتے ہیں۔

اور بعض یوں کہتے ہیں کہ ہم پچھلے لوگ ہیں، رسول اللہؐ کے زمانہ کی برکت اور صحابہؓ کے دل کی سلامتی کہاں سے لائیں، جو قرآن و حدیث کے معنی بخوبی سمجھ سکیں۔ ان کے جواب میں حق تعالیٰ فرماتا ہے: وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (الجمعہ

۶۲ : ۳) یعنی پچھلے لوگ خواہ پڑھے ہوئے ہوں، یا اَن پڑھ مگر جبکہ وہ مسلمان ہوں، اور اصحاب کے طریقہ کی پیروی کا ارادہ کریں، اور قرآن و حدیث کو سنیں، تو انھیں بھی پاک کرنے کے لیے یہی قرآن و حدیث کافی ہو سکتی ہیں اور فرماتا ہے و لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ "اور البتہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے واسطے آسان کر دیا، پس کیا کوئی نصیحت لینے والا ہے" (القمر ۵۴ : ۲۲)۔ یہ کیونکر آسان ہو سکتی ہے کہ کافیہ پڑھنے والے اور "شافیہ" جاننے والے تو اس کے معنی سمجھنے سے عجز ظاہر کرتے، اور عرب کے جنگلی لوگ اس کی حقیقت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک جگہ یوں فرمایا ہے: اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ "قرآن میں کیوں نہیں فکر کرتے" (محمد ۴۷ : ۲۴)۔ پس اگر قرآن مجید آسان نہ ہو تو اس میں فکر کیوں کر کیا جائے۔ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا "یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں" (محمد ۴۷ : ۲۴)۔ یعنی باوجودیکہ دلوں پر قفل نہیں لگے ہوئے ہیں، پھر بھی کیسی گمراہی ہے کہ قرآن کے فکر میں زور نہیں لگاتے" (تحفۃ الموحدین، ص ۵-۶-۷ المکتبۃ السلفیہ لاہور)۔

لیکن بقول شاعر۔

نوارا تلخ تر می زن چوں ذوق نغمہ کمیابی
حدی را تیز تر می خواں چوں محمل راگراں بینی

شاہ صاحب نے اس بدمذاقی، بے توفیقی اور غلط اندیشی کو دیکھ کر جس کے حدود يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الاعراف ۷ : ۴۵) سے مل جاتے تھے، فیصلہ کیا کہ قرآن مجید کا اس سلیس فارسی زبان میں ضرور ترجمہ کرنا چاہیے جو ہندوستان میں قیامِ حکومتِ اسلامیہ کے بعد سے ملک کی دفتری، علمی، تصنیفی اور خط و کتابت کی زبان تھی، اور تقریباً ہر پڑھا لکھا مسلمان اگر اس میں بول لکھ نہیں سکتا تھا تو اس کو سمجھتا ضرور تھا۔ ہندوستان میں فارسی زبان کی اس طویل عملداری میں، جس کی مدت سات صدیوں سے کم نہ تھی، قرآن مجید کے فارسی میں ایک درجن بھی ترجمے ہوتے تو تعجب کی بات نہ تھی، لیکن، حسن بن محمد علقمی الشتربہ نظام نیشاپوری ثم دولت آبادی کے ترجمے سے پہلے جو آٹھویں صدی ہجری کے علما میں تھے، کسی فارسی ترجمہ کا سراغ نہیں لگتا۔ شاہ صاحب نے قرآن مجید کے فارسی ترجمہ کا کام، جس نے "فتح الرحمٰن" کے نام سے تکمیل پائی، حجاز سے واپسی پر (۱۰ ذی الحجہ ۱۱۵۰ھ) شروع فرمایا (اور ۱۱۵۱ھ میں اس کی تکمیل ہوئی)۔